© rasailojaraid.com

سنی شیعہ کشیدگی کا مسئلہ

(۱)

وقت کی یہ ستم ظریفی بھی دیدنی ہے کہ جب مذہب کے نام پر مذہبی روح کو کچلا جا رہا تھا اور مذہب ہی کے نام پر اللہ کی زمین پر انسانی خون بہہ رہا تھا، اس وقت اسلام نے انسان کو اس کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا اور فرمایا کہ انسان اپنی فکر اور عمل میں آزاد ہے۔ اس کے سامنے نیکی اور برائی کی دونوں راہیں کھلی ہیں۔ اپنی مرضی سے جس راہ کو اختیار کرنا چاہے ،کر سکتا ہے۔ مسلم مفکرین نے مزید کہا کہ کائنات میں قدم قدم پر پھیلے ہوئے خدائی کاموں کا مشاہدہ ومطالعہ ایک مقدس کام ہے۔ یہ مطالعہ، یہ غور وفکر ایسی ذات گرامی کا پتہ دیتا ہے جو اس کائنات کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ اس سے رشتہ جوڑے بغیر انسانی روح کو قرار نہیں ملے گا۔

تاریخ مذہب میں اسلام نے فکری آزادی جو اعلان کیا تھا، اس پر مغرب میں بہت کچھ لکھا گیا، لیکن بیسویں صدی میں برصغیر کے معروف مارکسی انقلابی دانشور ایم این رائے (M.N. Roy) نے اپنی کتاب The Historical Role of Islam میں ایک نئے انداز سے لکھا: ’’آخری بڑے مذاہب میں اسلام عظیم ترین مذہب تھا۔ چنانچہ اس نے تمام مذاہب کی بنیادوں کو ڈھا دیا۔ اس کا یہ عمل اس کی تاریخی عظمت کی روح ہے۔‘‘

اسلام اور عربی تعلیمات کا مرکز وہی تاریخی سرزمین ہے جہاں پر پرانی مصری، اشوری، یہودی، ایرانی، اور یونانی تہذیبیں اٹھیں، ٹکرائیں اور زوال پزیر ہوئیں۔ پہلی تہذیبوں کا مثبت نتیجہ یہ تھا کہ انھوں نے عرب کلچر کے خدوخال بنانے میں حصہ لیا اور محمد ﷺ کے عظیم نظریہ توحید نے ان پرانی قوموں کے مذہبی اصولوں کو اپنا لیا۔

مسلم دنیا کی فکری اور عملی کامیابیوں کے بعد مسلم معاشرے پر زوال آیا۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس پر لکھتے ہوئے M.N.Roy نے لکھا: ’’جب آزادی فکر کا، جس کی اجازت صحرائی لوگوں کو سادہ عقیدے (اسلام) نے دی تھی، ٹکراؤ مسلمانوں کے ارباب اقتدار کی دنیاوی دلچسپیوں سے ہوا تو قرطبہ کے والی نے مذہبی رہنماوں کے اصرار پر ایک فرمان جاری کیا جس میں دوزخ کی آگ کے حوالے سے مذہبی بنیادوں پر ملحدانہ خیالات کی مذمت کی گئی۔ اسلام کی مقدس ترین تعلیم کی مذمت دراصل انسانی ترقی کے تنزل کی ابتدا تھی۔‘‘

سپین میں آزادی فکر کے نام لیوا عربوں کے ساتھ دین ودانش کے دشمنوں نے جو سلوک کیا، تاریخ آج تک اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ماتم سے فارغ نہیں ہو سکی۔

یہ دیکھ کر انتہائی دکھ ہوتا ہے کہ اہل پاکستان کی اکثرت (شیعہ سنی) جو توحید و رسالت کے مضبوط رشتوں میں منسلک ہے اور اسلام کی عظیم فکری اور روحانی روایات کی وارث، ابھی تک پوری طرح سے مذہبی فرقہ واریت سے نجات حاصل نہ کر سکی۔ گزشتہ مئی میں کراچی میں جو ہولناک فسادات ہوئے ہیں، اس نے بتا دیا ہے کہ ہم اخلاقی طور پر کس مقام پر کھڑے ہیں۔ صد افسوس ہم نے بڑی بے رحمی سے اپنی شاندار مذہبی اور روحانی روات کو بحیرہ عرب میں غرق کر دیا ہے۔ طرفہ تماشہ یہ ہے کہ ہم نے نہ صرف اپنے ہی بھائیوں کا خون اللہ کے گھر میں بہایا بلکہ سڑکوں پر چلنے والے عام لوگ بھی فرقہ واریت کی آگ میں جلے۔ ان کی کاریں یا دکانیں جلا دی گئیں۔ کیا کوئی مذہبی، اخلاقی اور سیاسی ضابطہ ہمیں اس بھیانک رویے کی اجازت دیتا ہے؟ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ جدید دور اپنے جلو میں نئی صحت مند روایات لایا ہے۔ افسوس نہ تو ہم اپنی کلاسیکل فکری اور روحانی روایات کا تحفظ کر سکے اور نہ ہی جدید صحت مند روایات کا ساتھ دے سکے۔ میر نے ٹھیک ہی کہا تھا۔

دیدنی ہے شکستگی دل کی
کیا عمارت غموں نے ڈھائی ہے

عہد حاضر میں دونوں جماعتوں کے اہل علم نے برابر کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کے دونوں تاریخی گروہ ایک دوسرے سے قریب تر آئیں۔ چنانچہ شیخ عبدالکریم الزنجانی النجفی نے ۱۹۶۱ء میں اپنی کتاب (الوحدۃ الاسلامیہ والتقریب بین مذاہب المسلمین) نجف سے شائع کی۔ اس کتاب میں تفصیل سے بتایا ہے کہ امام زنجانی نجفی نے سنی شیعہ اتحاد کے لیے قاہرہ میں شیخ مصطفی المراغی اور شیخ محمود شلتوت سے کامیاب ملاقاتیں کیں اور دمشق کی اموی مسجد میں حضرت السجاد علی ابن الحسین زین العابدین سے صدیوں بعد امام نجفی اسلامی اور شیعہ تاریخ میں عہد حاضر کے پہلے آدمی ہیں جنھوں نے مسجد اموی کے منبر پر کھڑے ہو کر دنیائے اسلام کے مسلمانوں کو مخاطب کیا۔ یہ رسالہ آج بھی طہران سے شائع ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ چند سال پہلے شیخ الازہر مرحوم شیخ شلتوت نے تین طلاقوں کے بارے میں فتویٰ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ہم اس مسئلہ میں فقہ جعفریہ کے مسلک پر فتویٰ دیتے ہیں۔

قرآن مجید نے اہل صفا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''اللہ کے بندے تو وہ ہیں جو زمیں پر وقار سے چلتے ہیں اور جب بے وقوف لوگ ان سے نادانی کی بات کرتے ہیں تو ''(تم پر) سلامتی ہو'' سے جواب دیتے ہیں۔'' (الفرقان ۶۲۔۶۳) آنحضرت ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے قرآن نے فرمایا: ''آپ اپنے پروردگار کی راہ کی طرف لوگوں کو بلاؤ تو اس طرح کہ حکمت کی باتیں بیان کرو اور پند و نصیحت کرو اور مخالفوں سے بحث کرو تو (وہ بھی) ایسے طریقہ پر کہ حسن و خوبی کا طریقہ ہو۔'' اگر ہمیں کشاکش روزگار اور باہمی نفرت سے فرصت مل جائے تو نہایت ہی صبر و تحمل سے اپنی گھات میں بیٹھ کر اپنی 'انا' کا تماشہ ضرور دیکھنا چاہیے۔ شاید اس وقت ہمیں پتا چلے کہ ہماری انا کن کن بیماریوں کا شکار ہے۔ ان بیماریوں میں نفرت اور تشدد ایسی بیماریاں ہیں جو ہماری تباہی اور رسوائی کا سبب بنی ہیں۔ رسول کریم ﷺ کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ارشاد ہے، ''خدایا! گواہ رہنا۔ سب بندے بھائی بھائی ہیں۔'' ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا، ''تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ اللہ کی نگاہ میں عزیز تر وہی ہے جو اس کے کنبے کے لیے سب سے زیادہ بھلائی کرتا ہے۔'' ایسی پاکیزہ تعلیمات رکھتے ہوئے یہ ہماری بدبختی ہے کہ ہم نہ صرف پوری انسانی سوسائٹی سے بلکہ اپنے مسلمان بھائیوں سے بھی برسر پیکار ہیں۔ سعدی نے ٹھیک کہا ہے کہ اہل صفا نے تو اپنے حسن عمل سے دشمنوں کے دل جیتے ہیں اور ہمارا حال یہ ہے کہ اپنے دوستوں کو بھی دشمن بنا لیا ہے۔

شنیدم کہ مردان راہ خدا
دل دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام
کہ با دوستانت خلاف است و جنگ

بے شبہ ان فسادات نے ہمارے اخلاقی اور سماجی نظام کے چہرے سے نقاب کو الٹ دیا ہے۔ حالاں کہ دونوں عظیم گروہ، شیعہ اور سنی، خدا کی توحید اور رسول اکرم ﷺ کی آخری نبوت پر دل کی گہرائیوں سے یقین رکھتے ہیں، لیکن علم کلام اور فقہ کی اختلافی جزئیات نے ہماری ساری فکری، اخلاقی اور روحانی صلاحیتوں کو جذب کر لیا ہے اور صبر و تحمل اور عفو و کرم کی ساری تعلیمات جو قرآن اور اسوہ رسول ﷺ سے ہمیں ورثے میں ملی تھیں، ہم نے ان کو غرق دریا کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اگر ہم تھوڑی دیر کے لیے علم الکلام کی عینک اتار کر قرآن مجید اور سیرت رسول ﷺ کو پڑھیں تو ہمیں پتہ چلے گا کہ یہ ملکوتی نغمہ ہمارے فکر و نظر کی جلا اور قلب و روح کی تسکین کے لیے اپنے پاس کیا کیا سامان رکھتا ہے۔ پکتھال نے سچ کہا تھا کہ قرآن مجید کی ایک ایسی سمفنی (symphony) ہے جس پر انسانی آنکھ کے آنسو گرتے ہیں اور سننے والا جذب و مستی سے سرشار ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اہل علم نے، خواہ ان کا تعلق اہل سنت سے ہے یا اہل تشیع سے، ہمیشہ حق کا ساتھ دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بیسویں صدی کی پہلی چوتھائی میں ایک شیعہ اسکالر مولانا مرتضیٰ نے 'معراج العقول' جیسی کتاب لکھی تو ابوالکلام آزاد نے لکھا، ''فریقانہ نزاعات اور تقلید نے ہمتوں کو پست کر دیا ہے اور کسی شخص کو راہ حقیقت میں قدم رکھنے کی جرات نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ صاحب معراج العقول کو جزائے خیر دے جنھوں اس راہ میں قدم رکھا اور اجتہاد و استقلال فکر کے ساتھ اپنی سیاحت تحقیق ختم کی۔'' ابوالکلام نے مزید لکھا، ''میں نے کبھی سنیوں کی کسی بات کو محض اس لیے اچھا نہیں کہا کہ وہ سنی ہیں اور شیعہ کی کسی سچائی سے انکار صرف اس لیے نہیں کیا کہ وہ شیعہ ہیں۔ حق و صداقت کی طہارت جماعت بندی کی گندگی سے آلودہ نہیں ہو سکتی۔'' (البلاغ، ۱۸ فروری ۱۹۱۶ء، ص ۱۱۸)

مولانا نے 'معراج العقول' کے مصنف کے علم و فضل کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا، ''بہاؤ الدین عاملی کے بعد معراج العقول کے مصنف پہلے صاحب علم ہیں جو مجتہدانہ بصیرت رکھتے ہیں۔''

خاکسار یہاں دوسرے واقعہ کو بھی بیان کرنا وقت کی ضرورت سمجھتا ہے۔ مرحوم پروفیسر اطہر علی، علی گڑھ یونیورسٹی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے آسٹریلیا کی یونیورسٹی میں چلے گئے تھے جہاں انھوں نے پروفیسر بھاشم سے مل کر ہندوستان کی تاریخ پر لکھا ہے۔ انھوں نے یوپی میں جدوجہد آزادی سے متعلق تاریخی دستاویزات مرتب کی ہیں جسے یوپی حکومت نے شائع کیا ہے۔ ان دستاویزات میں ان علماء کرام کا بھی ذکر ہے جنھوں نے تحریک آزادی ہند میں حصہ لیا تھا۔ وہ گرمیوں میں آسٹریلیا آیا کرتے تھے۔ ان سے ۱۹۶۷ء اور ۱۹۶۸ء میں لندن یونیورسٹی کی طلبہ یونین میں ملاقاتیں رہتیں۔ ایک دفعہ انھوں نے مجھ سے کہا کہ جب ۱۹۳۵ء میں یوپی میں کانگرس حکومت تھی اور پنڈت پنتھ وزیر اعلیٰ، اس وقت لکھنو میں شیعہ سنی تعلقات کشیدہ تھے اور دونوں فریق ایک دوسرے کے خلاف جلوس نکال رہے تھے جس پر UP حکومت نے پابندی لگادی تھی۔ جب لکھنو کے سنی مسلمانوں نے مدح صحابہ کے سلسلے میں جلوس نکالنے کی اجازت مانگی تو حکومت نے اس سلسلے میں مولانا ابوالکلام سے رجوع کیا تو مولانا نے اپنے ایک خط بنام وزیر اعلیٰ میں لکھا کہ وہ اہل سنت کو مدح صحابہ سے متعلق جلوس نکالنے کی اجازت نہ دے۔ جب لکھنوی مسلمانوں کو اس بات کا پتہ چلا تو ان کا ایک وفد ابوالکلام سے کلکتہ میں ملا۔ مولانا نے اپنے مخصوص انداز میں کہا، میرے بھائیو! وقت کی نزاکت سمجھو۔ شیعہ سنی موجودہ نزاع مسلمانوں کے قومی مفاد میں نہیں۔ پروفیسر موصوف نے خاکسار سے کہا کہ انھوں نے یہ فائل خود پڑھی ہے۔

صحیح بات وہی ہے جو علامہ سید انور شاہ کشمیری کہا کرتے تھے کہ دو مذہب کے دو شریف آدمی آپس میں مل کر بیٹھ جاتے ہیں لیکن ایک ہی مذہب کے دو پست نظر نام لیوا ایک جگہ مل کر بیٹھ نہیں سکتے۔ خاکسار کو یقین ہے کہ مسلمانوں کے اہل نظر (شیعہ ہوں یا سنی) اگر ذرا متحرک ہو جائیں تو اس مسئلہ کا حل ڈھونڈ سکتے ہیں۔ شیعہ حضرات میں خاکسار ایسے اہل نظر کو جانتا ہے جو دونوں فریقوں کے ہاں معزز و محترم مانے جاتے ہیں۔ کیا کوئی مرحوم پروفیسر کرار حسین یا ڈاکٹر حسین محمد جعفری کے علم و فراست اور تاریخی بصیرت سے انکار کر سکتا ہے؟ اس پایہ کے اور بھی کئی اہل علم ہیں جو کراچی کی صدائے دردناک کا شدت سے احساس رکھتے ہیں اور ہماری آستینوں میں چھپے ہوئے نفرت و تشدد کے خنجر سے نجات بھی دلا سکتے ہیں۔ فھل من مدکر؟

(تحریر: ڈاکٹر رشید احمد جالندھری۔ بشکریہ سہ ماہی ''المعارف'' لاہور)

(۲)

صرف میں ہی نہیں، اس ملک کا ہر باشعور آدمی جانتا ہے کہ اس سارے عمل کا کوئی نتیجہ نکلنے والا نہیں ہے۔ ملک بھر سے گنتی کے چند علما کو جمع کر کے یہ گمان کرنا کہ ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا ہو جائے گی اور مذہب کے نام پر تشدد کی لہر دم توڑ دے گی، ایک ایسی سادگی ہے جس کے نتیجے کے بارے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ ان علما میں کوئی ایک آدھ ہی ایسا تھا جو اس سارے معاملے میں حکومت کا اصل مخاطب ہو سکتا ہو۔ جناب اعجاز الحق اور ان کے جملہ رفقائے کار کے فہم و فراست کے باب میں ہم زیادہ توقعات وابستہ نہ کریں تو بھی ایک ایسی بات کی توقع تو ضرور کی جانی چاہیے کہ جس کا تعلق عمومی شعور (Common sense) کے ساتھ ہے۔

اس سارے معاملے میں چند باتیں سمجھنے کی ہیں، شرط یہ ہے کہ کوئی اس کی خواہش رکھتا ہو۔

© rasailojaraid.com